برصغیر میں علم قرأت کا ارتقاء
(عہد سلطنت کے حوالہ سے)

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ☆

قرآن کریم مخزن رشد و ہدایت اور منبع علوم و معارف ہے - یہ ایسی مقدس و بابرکت کتاب ہے کہ اسے پڑھنا و لکھنا، یاد کرنا و سمجھنا، چھاپنا و شائع کرنا، اس کی تعلیمات کو پھیلانا و علمی خزانہ کو عام کرنا موجب سعادت و باعث رحمت ہے - اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ قرآن کریم پوری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی، لکھی و شائع کی جانے والی کتاب ہے - اس عظیم ہدایت نامہ کے دو سب سے زیادہ معروف نام (القرآن والکتاب) سے خود اس کا یہ امتیازی وصف واضح ہوتا ہے - اہم بات یہ کہ بعض آیات شریفہ میں یہ دونوں نام ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں :

" طسٓ تلك آیٰت القرآن و کتاب مبین " (النمل - ۱)

" الرٰ - تلك آیٰت الکتٰب و قرآن مبین " (الحجر - ۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ قرأت و کتابت دونوں سے اس کا بنیادی تعلق ہے اور اللہ تعالی نے اسے انسان پر بطور ایک عظیم احسان و انعام ذکر کیا ہے کہ اسے پڑھنے لکھنے کی صلاحیتیں مرحمت ہوئیں - یہ دونوں چیزیں حصول علم و اشاعت

☆ ریڈر شعبہ اسلامک اسٹڈیز ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ

علم کے معروف ترین ذرائع ہیں اور جدید دور میں اکتساب و انتقال علم کے ذرائع میں ساری ترقیات کے باوجود ان دونوں بنیادی اسباب (زبان و قلم) کی اہمیت و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ ان ذرائع کو قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے اور علم قرآن کو سیکھنے سکھانے میں استعمال کرے۔ معلم انسانیت حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اسی حقیقت کا ترجمان ہے:

"خیر کم من تعلم القرآن و علمه"[۱]

(تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے (دوسروں کو) سکھایا)

یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن کے عہد مسعود سے ہی علم قرآن کی تحصیل و ترویج میں مسلمانوں کی دلچسپیاں و سرگرمیاں جاری ہیں۔ واقعہ یہ کہ جس سرزمین میں مسلمانوں نے قدم رکھا اور جس ملک و علاقہ میں بھی ان کی حکومت قائم ہوئی، وہاں قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری ہوا اور علم قرآن کی اشاعت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اس ضمن میں برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا دور حکومت کوئی استثناء نہیں رکھتا۔

علم قرآن اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام علوم کو شامل ہے جو قرآن پڑھنے و سمجھنے، اس کے معنی و مفہوم کو واضح کرنے اور اس کے علوم و معارف کی اشاعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا و ضروری مرحلہ قرأت و تلاوت ہے۔ اس اولین مرحلہ کی تکمیل کچھ اصول و ضوابط پر منحصر ہے اور قرآن مجید پڑھنے میں انہی اصول کے برتنے کے طریقے سے عملی واقفیت کو علم قرأت یا تجوید کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں صحت مخارج و درستگی تلفظ کے ساتھ اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کے الفاظ صحیح طور پر ادا ہو جائیں اور ان کا صوتی حسن نمایاں ہو جائے فن قرأت کہلاتا ہے اور اسے تلاوت کے زیور اور قرآن کی زینت سے تعبیر کیا جاتا ہے[۲]۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ برصغیر میں مسلم حکومت کے پہلے حصہ یعنی عہد سلطنت (۱۲۰۶-۱۵۲۶ء) کے بارے میں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ اس میں علم فقہ علماء کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا اور سلاطین کی علمی دلچسپیاں بھی

خاص طور سے اسی علم کے میدان میں ظاہر ہوئیں - اس طرح اس دور کے پورے علمی ماحول پر فقہ کا غلبہ رہا اور تفسیر و حدیث کی جانب بہت کم توجہ دی گئی - واقعہ یہ ہے کہ تاریخی کتب اور علماء و فضلاء کے تذکروں میں جو مواد بکھرا پڑا ہے ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم اسلامیہ میں بھی دلچسپی لی گئی اور ان کی اشاعت کے لئے کوششیں ہوئیں - علم قرآن کے میدان میں بھی اس عہد کی خدمات بڑی وقیع و قابل قدر رہی ہیں -

عہد سلطنت میں ناظرہ قرآن کی تعلیم و حفظ قرآن کا اہتمام ، فن قرأت کی تعلیم و تربیت ، تفسیر کے درس اور اس موضوع پر تصنیف و تالیف اور علماء و مشائخ کی مجالس میں قرآنی آیات کی تشریح و ترجمانی سے متعلق وافر مواد دستیاب ہے[۳] - پیش نظر مقالہ میں محض علم قرأت کے فروغ میں اس عہد کی خدمات کا جائزہ مقصود ہے -

مسلمانوں میں ناظرہ قرآن کی تعلیم کا اہتمام ہر دور میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا سب سے ضروری جز رہا ہے - برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کے اولین زمانہ سے ہی اس کا خاطر خواہ اہتمام تھا اور خاص بات یہ کہ صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھانے پر زور دیا جاتا تھا - عہد سلطنت میں مکاتب و مدارس میں یا انفرادی طور پر جو اساتذہ قرآن پڑھانے کے لئے مقرر کئے جاتے تھے وہ ماہرین قرأت ہوتے تھے اور انہیں " مقری" کہا جاتا تھا[۴] - اس عہد کے متعدد علماء کے لئے یہ لقب استعمال ہوا ہے - اس کے علاوہ اس وقت " قرآن خواں" و "خوش خواں" کی اصطلاحیں بھی حسن قرأت کا مظاہرہ کرنے والوں کے لئے رائج تھیں اور دلچسپ بات یہ کہ بعض سلاطین و امراء بھی " قرآن خواں" کے لقب سے معروف ہوئے[۵]- تاریخی کتب و تذکروں سے اس بات کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ اس دور میں اس فن کے سیکھنے سکھانے میں کافی دلچسپی پائی جاتی تھی - مکاتب و مدارس کے علاوہ علماء و مشائخ اپنی تعلیمی و تربیتی مجالس میں بھی اس کا اہتمام کرتے تھے - سلاطین کی جانب سے وہ لوگ خصوصی انعام و اکرام کے مستحق ہوتے تھے جو اس مبارک علم کی ترویج میں مصروف

رہتے تھے - در حقیقت بر صغیر پاک و ہند میں اس علم کی نشوونما اس زمانہ سے شروع ہوئی جب یہاں مسلم حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی ، فاتح سندھ اور اس خطہ کے اولین مسلم حکمراں محمد بن قاسم کی فتوحات کے دوران سندھ میں فروکش ہونے والوں میں جنید بن عمرو مکی مقری بھی شامل تھے ، یہ تبع تابعین اور مکہ کے ممتاز قاریوں میں سے تھے - صاحب العقد الثمین کے بیان کے مطابق مکہ میں اس زمانہ کے قاریوں میں انہیں امتیازی مقام حاصل تھا - یہ سندھ میں فتح کی مہم میں شریک رہے اور ان کے علم و فضل سے بھی لوگ مستفید ہوتے رہے[۶] -

سندھ میں باقاعدہ مسلم حکومت کے قیام کے بعد حجاز اور عرب کے دوسرے حصوں سے علماء و فضلاء کے اس سرزمین میں ورود کا سلسلہ اور آگے بڑھا اور ان کے توسط سے اس خطہ میں دینی علوم و فنون کی اشاعت عمل میں آئی - ۱۳ ویں صدی عیسوی کی ابتدا میں دہلی سلطنت کے نام سے ایک وسیع و مستحکم حکومت کے قیام کے بعد بر صغیر میں دینی علوم و فنون کی اشاعت کی راہیں مزید ہموار ہوئیں ، اس میں معاصر علماء و فضلاء کی مساعی جمیلہ کے علاوہ سلاطین و امراء کی علم دوستی و معارف پروری کا بھی دخل رہا ہے - دہلی سلطنت کے بالکل اولین دور میں بعض غیر معروف مقامات پر قرأت سبعہ کے ماہرین کے پائے جانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے علم قرأت کے فروغ میں دلچسپی لی گئی اور اس امکان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سندھ میں عربوں کی حکومت کے دوران جو دینی و علمی سرگرمیاں جاری ہوئیں اور اس خطہ میں مختلف مقامات (بالخصوص منصورہ اچھ و ملتان) پر ان کے جو مراکز وجود میں آئے ان کے اثرات عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی باقی رہے[۷] -

اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور سہروردی بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (۱۱۸۲-۱۲۶۲ء) نے کوٹ ارور جیسی چھوٹی جگہ پر سات طرز کے مطابق فن قرأت سیکھی تھی جیسا کہ ان کے تذکرہ میں ملتا ہے[۸] - ان کی سن پیدائش (۱۱۸۲ء) کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے تعلیمی مراحل دہلی سلطنت کے قیام سے قبل ہی طے ہوئے ہوں گے - دوسرے بزرگ و چشتی سلسلہ کے صوفی شیخ حمیدالدین ناگوری (م ۱۲۷۶ء) کے حالات میں ملتا ہے کہ وہ ناگور کے ایک گاؤں "سوال" (Suwal) میں سکونت پذیر تھے - وہاں کی مسجد

میں حفظ قرآن کا خاص اہتمام تھا اور فن قرأت کی مشق پر خاص زور دیا جاتا تھا - وہ اپنے بچوں کو خاص طور سے جمعہ کے دن اس مسجد میں بھیجتے تھے تاکہ کچھ دیر وہاں رہ کر حفاظ کے طرز قرأت سے روشناس ہوں اور یہ دیکھیں کہ :

حافظاں چگونہ قرآن می خوانند مرو تشدید چگونہ نگاہ می دارند(۹)

یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے بچپن میں بدایوں میں جس حافظ سے قرآن شریف پڑھا تھا، وہ شادی مقری نام کے نو مسلم غلام تھے - شیخ کے اپنے بیان کے مطابق انھیں قرأت سبعہ کے مطابق قرآن حفظ تھا، دوسرے ان کی یہ کرامت بھی تھی کہ جو شخص ان سے قرآن کا ایک حصہ بھی پڑھ لیتا اسے پورا قرآن (حفظ کے ساتھ) پڑھنا نصیب ہوتا - (یک کرامت او بود کہ ہر کہ یک تختہ قرآن پیش او خواندے خدائے تعالی اورا تمام قرآن روزے کردے من ہم پیش او یک سیپارہ خواندہ ام ببرکت آں قرآن یاد شد") (۱۰)

یہاں یہ وضاحت بر محل معلوم ہوتی ہے کہ شادی مقری کے آقا لاہور کے رہنے والے اور فن قرأت سے بخوبی واقف تھے، وہ بچوں کو قرآن بھی پڑھاتے تھے - قرین قیاس یہی ہے کہ ان کے آقا ہی نے انہیں قرآن پڑھایا اور پھر بعد میں انہیں آزاد کر دیا - اہم بات یہ کہ انہوں نے بدایوں منتقل ہونے کے بعد اپنے آقا ہی کی مصروفیت (بچوں کو قرآن پڑھانا) اختیار کی(۱۱) - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے غلاموں کی تعلیم پر کس قدر توجہ دیتے تھے - انہیں قرآن پڑھانے کا ایسا اہتمام کرتے تھے کہ وہ حافظ و قاری بن جاتے تھے - اوپر کی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ بر صغیر میں مسلم حکومت کے ابتدائی دور سے ہی مختلف شہروں و قصبوں بلکہ بعض قریات میں بھی حفاظ و قراء پائے جاتے تھے جو فن قرأت سکھانے میں دلچسپی لیتے تھے - اس عہد میں اس فن کے سیکھنے و سکھانے کی جو سرگرمیاں جاری ہوئیں ان سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن کی ترویج کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے -

عہد سلطنت میں علم قرأت کے فروغ میں مکاتب ، مدارس اور تعلیم کے انفرادی مراکز کا کافی حصہ رہا ہے - یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مکاتب یا تعلیم کے ابتدائی مراحل میں قرآن شریف پڑھانے کے لئے جو اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے ، وہ قرأت کے ماہر ہوتے تھے- اس کے علاوہ معاصر تاریخی کتب و تذکروں میں مقری (ماہرین قرأت) کے بکثرت حوالے ملتے ہیں - اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس فن کے سکھانے والوں کی کمی نہیں تھی اور یہ کہ انھوں نے مختلف ذرائع سے اس کی ترویج میں حصہ لیا- اس میں شبہ نہیں کہ علم قرأت کے انفرادی طور پر سیکھنے سکھانے کا حوالہ زیادہ ملتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ مدارس میں پڑھائے جانے والے مضامین میں یہ شامل نہیں تھا- اول اس وجہ سے کہ اس زمانہ کے نصاب تعلیم کی تفصیلات معاصر مآخذ میں بہت کم دستیاب ہیں اور اس ضمن میں جو کچھ مواد ملتا بھی ہے وہ تعلیم کی اعلی سطح یا مدارس سے تعلق رکھتا ہے جب کہ یہ معروف ہے کہ قرأت کا فن عام طور پر تعلیم کے ابتدائی مرحلہ (مکتب) میں سکھایا جاتا تھا یا حفظ کے ساتھ اسے سکھانے کا اہتمام ہوتا تھا- دوسرے یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ عہد زیر بحث میں تعلیم کے انفرادی مراکز زیادہ مقبول تھے - مختلف علوم و فنون کے ماہرین اپنے اپنے مقام پر یا کسی مرکزی جگہ میں درس و تدریس کی مجلسیں منعقد کرتے یا مروجہ فنون کے سکھانے کا اہتمام کرتے اور طلبہ و تشنگان علم اپنی دلچسپی کے مطابق متعلقہ فن کے استاد سے رجوع کرتے اور فیضیاب ہوتے[۱۲] - دیگر علوم کے علاوہ قرأت کے میدان میں بھی یہ طریقہ تعلیم رائج تھا - ان سب باتوں کے ساتھ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عہد فیروز شاہی کے مدارس میں پڑھائے جانے والے مضامین میں قرأت کا صاف طور پر ذکر ملتا ہے[۱۳] - مزید براں اس عہد کے سب سے بڑے و مشہور مدرس (مدرسہ فیروز شاہیہ کے صدر) مولانا جلال الدین رومی کے اوصاف و کمالات میں ایک معاصر شاعر مطہر کڑہ نے جہاں اور بہت ساری باتیں بیان کی ہیں وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ قرأت کے مختلف معروف طرق سے نہ صرف خوبی واقف تھے بلکہ ان پر سند کی حیثیت رکھتے تھے -

راوی ہفت قرأت سند چاردہ علم   شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار[۱۴]

یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ فیروز شاہ تغلق کے پیشرو سلطان محمد بن تغلق کے عہد (۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) میں مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ہندوستان کا سفر کیا- اس نے جنوبی ہند کے ایک مقام ہنور(HINAUR) (ہندوستان کے مغربی ساحل پر گوا کے جنوب میں ایک قدیم بندرگاہ) کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہاں ۳۶ مدارس قائم تھے - جن میں ۱۳ خاص لڑکیوں کے لئے تھے اور اس سے اہم یہ کہ اس قصبہ کی عورتوں میں حفظ قرآن کا عام رواج تھا[۱۵]- دہلی سلطنت کے آخری حصہ یا پندرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں مالوہ میں خلجی خاندان کی آزاد ریاست قائم تھی - اس کے ایک معروف حکمران غیاث الدین خلجی(۱۴۶۹-۱۵۰۰ء) تھے - فرشتہ کے بیان کے مطابق اس سلطان کے محل میں ہزاروں کنیزیں حفظ قرآن کی دولت سے مالامال تھیں[۱۶] - اتنی کثیر تعداد میں حافظات قرآن کے پائے جانے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی مکتب یا مدرسہ کے تحت حفظ کرانے کا باقاعدہ نظم قائم تھا- اس ضمن میں یہ اضافہ بھی بر محل معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے شاہی غلاموں کی تعلیم و تربیت پر کافی توجہ دی تھی - اس نے حکومت کے وسائل سے ان کے لئے ناظرہ و حفظ قرآن و دینی تعلیم کا اہتمام کیا تھا اور ساتھ ہی انہیں دستکاری و مختلف حرفت کی تربیت دلانے کا نظم قائم کیا تھا- اس طرح یہ غلام معاصر مورخ عفیف کے بیان کے مطابق مختلف علوم و فنون سیکھ گئے اور ان میں بہت سے تکنیکی تربیت پا کر نکلے -

(بعضے درکلام اللہ و حفظ و بعضے در علوم دینی و بعضے درقسم تحریر مشغول شدند و بعضے درخانہ کعبہ برحکم فرمان رفتند و بعضے را تسلیم طوائف کردند ایشاں حرفت و صنعت آموختند - موازنہ دوازدہ ہزار نفر بندگان کاسب بر جنس شدند)[۱۷]

یہاں یہ واضح رہے کہ عہد زیر بحث میں حفظ قرآن کے ساتھ عام طور پر قرأت سکھانے یا تجوید کی مشق کرانے کا بھی اہتمام ہوتا تھا- اس لئے مدارس ، انفرادی مراکز یا

جہاں بھی حفظ کا نظم قائم تھا، ان سے لازمی طور پر علم قرأت کو بھی ترویج ملتی تھی - اسی کے پیش نظر یہاں علم قرأت کی اشاعت کے ضمن میں حفظ قرآن کے اہتمام کی کچھ مثالیں پیش کی گئیں -

عہد سلطنت میں علم قرأت کی ترویج و اشاعت میں تذکیری مجالس اور وعظ و ارشاد کی محافل کا بھی کافی حصہ رہا ہے - اس ضمن میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں مسلم حکومت کے اولین دور میں تذکیر و وعظ کا عام رواج تھا - علماء و مشائخ اس دینی کام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے - معاصر مآخذ میں اس خدمت انجام دینے والوں کا مذکران و واعظان کے نام سے بہ کثرت حوالہ ملتا ہے[۱۸] - ان کی تذکیر و تقریر یا وعظ و ارشاد کے آغاز میں تلاوت قرآن کی روایت بہت ہی مستحکم رہی ہے اور یہ تلاوت باقاعدہ کسی خوش الحان حافظ یا قاری کے ذریعہ انجام پاتی تھی[۱۹] - شیخ نظام الدین اولیاء نے سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۶ء) کے ہم عصر و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید شیخ نظام الدین ابوالموید کی مجلس تذکیر (جس میں وہ کم عمری میں شریک ہوئے تھے) کی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا کہ شیخ ابوالموید مسجد میں ورود فرما ہوئے، دو رکعت نماز ادا کی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے - پہلے ان کے مرید و خوش الحان قاری قاسم مقری نے قرآن مجید کی تلاوت کی - اس کے بعد شیخ نے اپنے وعظ کا آغاز کیا[۲۰] - تقریباً اسی انداز پر ہر مذکر یا واعظ کی مجلس میں آغاز کلام کے وقت حاضرین کو حسن قرأت سے محظوظ کرنے کا اہتمام ہوتا تھا اور عام طور پر ہر عالم یا شیخ کی مجلس کے قاری متعین ہوتے تھے - خود شیخ نظام الدین اولیاء کے ارادت مندوں میں مولانا شہاب الدین مقری فن قرأت میں مہارت کے لئے مشہور تھے- صاحب سیر الاولیاء کے بیان کے مطابق ان کی آواز لحن داودی کا اثر رکھتی تھی، یہاں تک کہ ان کی خوش الحانی سے فضا میں اڑنے والے پرندے اور زمین پر چلنے والے مدہوش ہو جاتے، وہ جب امامت کرتے تو ان کی قرأت سن کر سلطان المشائخ پر رقت طاری ہو جاتی -

(وخدمت مولانا "شہاب الدین" الحان داودی داشت کہ پرندہ در ہور و جنبیدہ بر زمین بالحان خوش او مست و مدہوش می گشتند- خدمت مولانا شہاب الدین درس امامت قرأتی لغایت رق وخوش خواند کہ سلطان المشائخ رازفتی پیدا شد(۲۱)) -

قرین قیاس یہی ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی مجلس میں مولانا شہاب الدین ہی تلاوت قرآن کی خدمت انجام دیتے رہے ہوں گے - مولانا عماد الدین بن حسام دہلوی عہد علائی کے نامور عالم و واعظ تھے - ان کا وعظ بڑی تاثیر رکھتا تھا جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے - برنی نے ان کی مجلس وعظ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے شروع میں مولانا حمید و مولانا لطیف مقری ایسی خوش الحانی سے قرأت کرتے کہ سامعین مسحور ہو جاتے اور پرند آسمان سے نیچے اتر آتے اور ان کے وعظ سے لوگوں پر ایسی رقت طاری ہوتی کہ ہر طرف آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگتیں(۲۲) - ان کے علاوہ عہد سلطنت میں سیّد نورالدین، مبارک غزنوی ، مولانا ضیاء الدین سنامی ، شیخ بدر الدین اودھی ، مولانا شہاب الدین خلیل ، شیخ جلال الدین دہلوی ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ، شیخ علاء الدین نیلی اودھی اور سیّد جلال بخاری مخدوم جہانیاں بھی تذکیر و وعظ کے لئے معروف تھے - ان کی مجالس تذکیر کا امتیاز یہ تھا کہ ان میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے جو قاری کی خوش الحانی اور واعظ کی جادو بیانی دونوں سے محظوظ ہوتے - اکثر ایسا ہوتا کہ ان مجالس کے آغاز میں قاری جو آیت تلاوت کرتے اسی کو عنوان بنا کر مذکر اپنا وعظ یا بیان شروع کرتے اور آیات میں زیر بحث موضوع کی تشریح و توضیح میں احادیث و روایات سے بھی کام لیتے - اس طرح ان مجالس سے علم قرأت و علم تفسیر دونوں کی ترویج ہوئی - معاصر مورخین کے یہاں ان میں سے بعض مجالس کا خصوصی طور پر ذکر ملتا ہے - مولانا ضیاء الدین سنامی کے بارے میں برنی لکھتے ہیں کہ وہ عہد علائی کے مشہور و مقبول واعظین میں سے تھے - ان کی عمر کا بیشتر حصہ وعظ و نصیحت میں گذرا- وہ وعظ میں عام طور پر قرآن کریم کی آیات تلاوت کر کے ان کا معنی و مفہوم بیان کرتے اور مزید وضاحت کے طور پر احادیث و روایات بھی پیش کرتے - ان کے وعظ کی ایسی

تاثیر کہ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور آخر تک موجود رہتے(۲۳) - اسی طرح مولانا شہاب الدین خلیل کے بارے میں معاصر مورخ کا بیان ہے کہ ان کا وعظ بھی زیادہ تر آیات قرآنی کی تشریح و ترجمانی پر مبنی ہوتا ، اسی کے ساتھ سبق آموز واقعات اور بر محل اشعار سے اپنے بیان کو ایسا دلنشیں بنا دیتے کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے(۲۴) - ابن بطوطہ نے سلطان محمد بن تغلق کے معاصر و اودھ کے ممتاز عالم شیخ علاء الدین نیلی (جو بعد میں دہلی منتقل ہو گئے تھے) کی تذکیری مجلس کے بارے میں اپنا یہ مشاہدہ پیش کیا ہے کہ ہر جمعہ کو ان کی مجلس وعظ منعقد ہوتی جس میں لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے - وعظ کے شروع میں قاری کی خوش الحانی ان کی مجلس کی بھی ایک مستقل روایت تھی - ایک مجلس میں جس میں وہ خود شریک تھے قاری نے ان آیات کی تلاوت کی :

" یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شیئی عظیم - یوم ترونها تذھل
کل مرضعة عما ارضعت و تضع کل ذات محل حملها و تری الناس
شکری وماھم سکرٰی ولکنّ عذاب الله شدید " (الحج : ۱-۲)

ان آیات کی تلاوت سن کر شیخ علاء الدین پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ انھوں نے قاری سے بار بار ان کی تلاوت کی فرمائش کی(۲۵) - صاحب سیر الاولیاء کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مذکور خود بھی اس میدان کے ماہر تھے اور بعض اوقات اس خوش الحانی سے قرأت کرتے کہ ان کے پیر و مرشد (شیخ نظام الدین اولیاء) بھی سن کر جھوم جھوم جاتے(۲۶) - اسی طرح شیخ بدرالدین اودھی ، شیخ جلال الدین دہلوی اور بعض دیگر مذکرین کی مجالس کے ضمن میں شروع میں تلاوت قرآن اور دوران تذکیر آیات و احادیث اور اقوال سلف کی تشریح و ترجمانی کا ذکر امر مشترک کے طور پر ملتا ہے -

عہد زیر بحث میں صوفیاء و مشائخ کی خانقاہوں اور تربیتی مراکز کے ذریعہ بھی علم قرأت کو کافی ترویج ملی - ان کے تذکروں و ملفوظات میں اس فن کے سیکھنے سکھانے کے حوالے بہ کثرت دستیاب ہیں - ان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں قرأت کی

تعلیم و تمرین کی روایت بڑی مضبوطی سے قائم تھی - اس علم میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ حمید الدین ناگوری کی دلچسپی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے - مشہور چشتی بزرگ شیخ فرید الدین گنج شکر کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ اپنی خانقاہ میں مریدوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور قرأت کے اصول و ضوابط بھی سکھاتے تھے(۲۷) - اس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے کمسنی میں شادی مقری سے قرآن شریف پڑھا تھا لیکن جب وہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اجودھن میں ان کے جماعت خانہ سے منسلک ہوئے تو شیخ نے انھیں دوبارہ تجوید کے اصول و ضوابط کے مطابق قرآن پڑھایا اور خود شیخ نظام الدین اولیاء کے بیان کے مطابق انھوں نے اس طور پر چھ پارے مکمل کیے(۲۸) - اس کے علاوہ شیخ فرید نے جس توجہ و محنت سے انہیں صحت مخارج کی مشق کرائی وہ کافی اہمیت رکھتی ہے - شیخ نظام الدین اولیاء اس مشق و مہارت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں " میں نے جب ان سے قرآن پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے کہا کہ " الحمد " پڑھو جس طرح کہ میں پڑھتا ہوں، جب میں " ولاالضالین " تک پہنچا تو شیخ نے فرمایا کہ " ضاد " کی آواز اس طرح نکالو جیسے میں نکالتا ہوں " کوشش کے باوجود مجھ سے اس کا صحیح عربی تلفظ ادا نہ ہو سکا لیکن شیخ محترم بار بار اس کی مشق کراتے رہے " (۲۹)- شیخ فرید کی خانقاہ میں صحیح تلفظ و لہجہ کے ساتھ قرآن پڑھنے کی یہ تربیت صرف شیخ نظام الدین اولیاء کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہاں ارادت مندوں کو صحیح قرآن پڑھنے کی مشق کرانا ایک عام معمول تھا- صاحب سیر الاولیاء کے بیان کے مطابق ان کی خانقاہ ہمیشہ حافظوں و مقریوں سے آباد رہتی تھی(۳۰) - ظاہر ہے ان کی وجہ سے وہاں قرأت سیکھنے سکھانے کا ماحول گرم رہتا تھا-

اپنے مرشد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی علم قرأت کی ترویج میں خصوصی دلچسپی لی اور اپنی خانقاہ میں اس فن کی تعلیم و تربیت کا اہتمام رکھا - اس علم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے وہ اپنے مریدین کو یہ تاکید کرتے تھے کہ قرآن شریف ترتیل و تردید کے ساتھ پڑھنا چاہیے - خود ان کی وضاحت کے مطابق تردید یہ ہے کہ

اگر کسی آیت کو پڑھتے ہوئے قاری کو خاص لذت محسوس ہو یا اس پر رقت طاری ہو جائے تو اسے بار بار پڑھنا چاہیے[۳۱] - مزید بر آں انھوں نے اس علم کی فضیلت اس انداز میں بھی بیان کی کہ حسن قرأت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سننے سے جو سعادت نصیب ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں - انوار ، احوال و آثار - سب سے پہلے پڑھنے والے کی روح پر عالم ملکوت سے انوار کا نزول ہوتا ہے - انوار کے بعد عالم جبروت سے قلوب پر احوال نازل ہوتے ہیں اور آخر میں عالم فلک سے جوارح (اعضاء بدن) پر آثار ظاہر ہوتے ہیں[۳۲] - اس علم کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر وہ اپنے گھر والوں و ارادت مندوں کو اسے سیکھنے کی خاص طور پر ترغیب دیتے اور انہیں صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھنے کی تاکید کرتے رہتے - ان کے اپنے گھر کے علاوہ عزیزوں و دوستوں کے بہت سے بچے ان کے زیر تربیت و کفالت رہتے تھے - انھوں نے شیخ علاء الدین مقری اندرپتی کی نگرانی میں ان سب کے لئے حفظ قرآن کا خصوصی اہتمام کیا[۳۳] اور جو بچے حفظ نہیں کر سکتے تھے انہیں مسجد میں بھیجتے تھے تاکہ وہ حفاظ و قراء کی قرأت سنیں اور اپنی قرأت درست کریں[۳۴] - مزید بر آں شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ سے شیخ شہاب الدین دہلوی اور مولانا علاء الدین نیلی جیسے متعدد ایسے خوش الحان قاری منسلک تھے جن کی قرأت سن کر لوگوں پر خاص رقت طاری ہو جاتی اور چرند و پرند بھی مسحور ہو جاتے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے - یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء مولانا علاء الدین نیلی کی قرأت سن کر ایسا متاثر و مسرور ہوئے کہ انہیں اپنا مصلی خاص بطور ہدیہ عنایت کیا[۳۵] - ان سب کے علاوہ شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں دسترخوان پر بھی قرأت کی خوشگوار روایت قائم تھی - روزانہ کا یہ معمول تھا کہ کھانا شروع ہونے سے قبل کوئی خوش الحان قاری کچھ آیتیں تلاوت کرتے اور حاضرین اس سے محظوظ ہوتے - یہ مختصر قرأت "دعاء مائدہ" کے نام سے معروف تھی - عام طور پر یہ خدمت حافظ محمد و حافظ موسیٰ (شیخ فرید گنج شکر کے نواسے) اور خواجہ عزیز (شیخ نظام الدین اولیاء کے پھوپھی زاد بھائی) انجام

دیتے تھے - ان قاریوں کی آواز میں بلا کا درد و سوز ہوتا - جب یہ حضرات کھانے سے قبل قرآن کی تلاوت کرتے تو شیخ نظام الدین اولیاء کی زبان سے مسلسل " رحمت باد، رحمت باد" کے الفاظ نکلتے رہتے(۳۶) - اوپر کے مباحث سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عہد سلطنت کے علماء و صوفیاء نے اپنے اپنے طور پر علم قرأت کے فروغ میں حصہ لیا- خاص طور سے صوفیاء کے مراکز میں اس فن کی تعلیم و تمرین کا جو اہتمام ہوتا تھا اس کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے -

عہد سلطنت میں علم قرأت کی ترویج میں سلاطین و امراء کا جو حصہ رہا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اس علم میں بعض سلاطین و امراء کی ذاتی دلچسپیاں ظاہر ہوئیں- انھوں نے خود اس علم کو سیکھا اور اس کی اشاعت کے لئے کوششیں کیں - بعض نے اس علم کے ماہرین کو اپنے دربار سے منسلک کیا اور ان کی قدر افزائی کی - دہلی سلطنت کے قیام کے بعد حکومت کی جانب سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کو عطایا و وظائف دینے کا سلسلہ جاری ہوا - ان میں واضح طور پر " اہل قرأت " کا بھی ذکر ملتا ہے -

سلطان قطب الدین ایبک (۱۲۰۶-۱۲۱۰ء) کا یہ فرمان ملاحظہ ہو :

"ادرارات و مشاہرات کہ مستہمان از اہل علم وفقہ و قراءت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم بر حال داشتن فرمود و مبلغ خطیر از زر و غلہ از خاص خویش بفرمود بنام مستحقان را تا ادرار کنند"(۳۷)

فرمان کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اس طرح کے عطیہ دینے کا سلسلہ فتوحات کے زمانہ ہی میں قائم ہو گیا تھا - بعد کے دور میں یہ نہ صرف جاری رہا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا - یہاں یہ ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتا تھا اور اسی لئے " قرآن خواں" کے لقب سے معروف ہوا(۳۸) - عہد فیروز شاہی کے ایک ممتاز امیر و اہم عہدہ دار ملک قبول کے لئے بھی

بعض ماخذ میں " قرآں خوان " کا لقب استعمال کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی بہت اچھی آواز سے قرآن پڑھتے تھے [۳۹]۔ اسی نسبت سے ان کی ایما پر ترتیب دیا گیا، فتاوی کا مجموعہ " فتاوی قرآن خوانی" کے نام سے مشہور ہوا [۴۰]۔

سلطانہ رضیہ (۱۲۳۶-۱۲۳۹ء) عہد سلطنت کی خاتون حکمراں کی حیثیت سے کافی معروف ہیں ، وہ پڑھی لکھی اور بڑی باصلاحیت خاتون تھیں - فرشتہ کے بیان کے مطابق وہ قرآن پڑھنے میں قرأت کے اصول و آداب کو ملحوظ رکھتی تھیں [۴۱] - سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۶ء) نے شہزادوں کو حکومت کے نظم و نسق سے متعلق جہاں بہت ساری نصیحتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی حکومت کے مرکز کو علماء و مشائخ ، تفسیر و حدیث کے ماہرین حفاظ قرآن و مقریان اور واعظین و خطباء اور مختلف اہل فنون سے آباد رکھیں گے - (دارالملک خودرا از علماء و مشائخ و سادات ، مفسران و محدثان ، حافظان و مقریان و مذکران و فاضلان و ماہران ہر ہنری پرکن [۴۲]) - سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) میں علم قرأت کی ترویج میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عہد سلطنت کے مآخذ میں مقریان کا حوالہ سب سے زیادہ اسی دور سے متعلق ملتا ہے- ضیاء الدین برنی نے عہد علائی کے متعدد ممتاز قاریوں کے نام پیش کئے ہیں ، ان میں چند یہ ہیں - مولانا علاء الدین مقری ، مولانا جمال الدین شاطبی ، خواجہ زکی الدین دہلوی ، مولانا حمید مقری و مولانا لطیف مقری [۴۳] - اہم بات یہ کہ ان میں ایسے ماہرین قرأت بھی شامل تھے جن کی خوش الحانی اس وقت ضرب المثل بن گئی تھی ، اور جن کی قرأت پر پورا ماحول متاثر و مسحور ہو جاتا تھا جیسا کہ اوپر کچھ مثالیں دی جا چکی ہیں - اس سے اہم یہ کہ معاصر مورخ نے عہد علائی کے دہلی کے قاریوں سے متعلق یہ تاثر پیش کیا ہے کہ وہ اپنے فن میں ایسے منفرد و ممتاز تھے کہ عراق و خراسان میں بھی ان کی ہمسری کرنے والا کوئی نہیں تھا (مثل ایشاں در خراسان و عراق نشان نداده اند [۴۴]) یہاں یہ واضح رہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کی علم دوستی و معارف پروری کی شہرت سن کر مختلف علوم و فنون کے ماہرین نہ

صرف ملک کے مختلف حصوں بلکہ بیرون ممالک سے بھی دہلی منتقل ہوئے اور سلطان کے انعام و اکرام کے مستحق بنے - ان میں بہت سے باقاعدہ دربار سے منسلک کئے گئے - جہاں ان پر مزید داد و دہش کا سلسلہ جاری رہا - ان میں یقینی طور پر اہل قرأت بھی شامل تھے جیسا کہ برنی وغیرہ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے - عہد فیروز شاہی میں ان عطایا و وظائف کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچ گئی جو حکومت کی جانب سے اہل علم و فن کے مختلف طبقوں (بشمول حفاظ و قراء) اور مستحقین و مساکین کو دیئے جاتے تھے - اس دور میں بعض ایسے ماہرین قرأت گذرے ہیں کہ حجاز کے قاری بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے - شیخ محمد بن محمد دمراجی معروف بہ نجیب الدین ہندی (م ۱۳۸۸) کے آبا و اجداد عرب سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور قرین قیاس یہی ہے کہ شیخ نجیب الدین کی تعلیم و تربیت یہیں مکمل ہوئی - بعد میں وہ دہلی سے مکہ مکرمہ گئے - وہاں انھوں نے قاری حرم شیخ عفیف دلاصی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا چاہا لیکن شیخ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وہ عجمیوں کو نہیں پڑھاتے کیونکہ اہل عجم حروف کے مخارج صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں - شیخ نجیب الدین نے کہا کہ پہلے میری قرأت سن لیں اور پھر آپ جو چاہیں فیصلہ کریں - جب انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو شیخ عفیف بڑے متعجب ہو کر کہنے لگے کہ مجھے آپ کے لب و لہجہ سے عرب نسل کی بو آ رہی ہے [۴۵] - عہد فیروز شاہی میں ہی حکومت کے ایک اہم رکن اور نائب وزیر ظفر خان کے بارے میں معاصر مورخ کی یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے اور فن قرأت میں اپنی مثال آپ تھے - جب وہ نماز یا دوسرے مواقع پر قرأت کرتے تو سامعین پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں - خود برنی کے الفاظ میں :

> " باری تعالی ظفر خاں مذکور را بہ عفت و صلاح آراستہ وبہ دیانت و صیانت پیراستہ - حافظ کلام اللہ است و در قرأت قرآن عدیم المثال است و قرآن در نماز و غیر نماز چناں می خواند کہ سامعان را رقت می نماید و چشمہا از گریہ رواں می شود "[۴۶]

اس سے قبل عہد فیروز شاہی کے مدارس میں حکومت کی جانب سے قرأت کی تعلیم کے اہتمام اور شاہی غلاموں کے لئے حفظ قرآن کے مخصوص نظم کا ذکر ہو چکا ہے - اور یہ بیان بھی گذر چکا ہے کہ ریاست مالوہ کے آزاد حکمراں سلطان غیاث الدین خلجی کے حرم میں ہزار کے قریب کنیزیں حفظ قرآن کی نعمت سے بہرہ ور تھیں - ظاہر ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں حافظات قرآن کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حفظ کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا ہوگا-

تغلق خاندان کی حکومت کے خاتمہ پر دہلی سلطنت کچھ عرصہ سیاسی انتشار و افتراق کا شکار رہی اور پھر یکے بعد دیگرے سید و لودھی خاندان کے سلاطین تخت دہلی پر متمکن رہے- ان کے دور حکومت بالخصوص سلطان سکندر لودھی (۱۴۹۸-۱۵۱۷ء) کے زمانہ میں دیگر علوم و فنون کے ساتھ علم قرأت کے میدان میں بھی سرگرمیاں جاری رہیں -گرچہ اس ضمن میں بہت زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں لیکن تاریخی ماخذ میں اس عہد کے کچھ ایسے ماہرین قرأت کا ذکر ملتا ہے جنہیں اس میدان میں امتیازی مقام ملا اور جن کے توسط سے اس علم کی مزید ترویج و اشاعت ہوئی - ان میں محمد بن محمود مقری ، راجح بن داود احمد آبادی(۴۷)، سلیمان بن عفان مندوی ، اور عبدالملک غزنوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں -

اول الذکر دونوں پندرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور آخر الذکر سولہویں صدی عیسوی کے نصف اول سے تعلق رکھتے ہیں - ان میں سلیمان بن عفان مندوی (م ۱۵۳۷ء) اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان سے قرأت سیکھنے والوں میں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی شامل تھے - صاحب اخبار الاخیار کے بیان کے مطابق وہ فن تجوید میں یکتائے زمانہ تھے - (وی درفن تجوید قرآن یگانہ عصر بود(۴۸)) - عبدالملک غزنوی (م۱۵۵۶) کا اصل وطن غزنہ تھا اور ان کی تعلیم ہرات میں مکمل ہوئی - حفظ قرآن کے ساتھ فن تجوید میں مہارت حاصل کی اور اپنے زمانہ کے نامور قراء میں شمار ہوئے - سلطان سکندر لودھی کی طلب پر وہ ہندوستان آئے اور آگرہ میں سکونت پذیر ہوئے جہاں اسلام شاہ کے زمانہ (۱۵۴۵-۱۵۵۲ء) تک ان کا فیض جاری رہا اور کثیر تعداد میں لوگ ان سے مستفید

ہوئے(۴۹)- اسلام شاہ کے معاصرین میں پیر سیّد محمد مکی بھی ایک ممتاز قاری تھے - قرأت کے سات معروف طریقے سے وہ بخوبی واقف تھے - علم قرأت میں ان سے استفادہ کرنے والوں میں نامور عالم و مورخ عبدالقادر بدایونی بھی شامل تھے (۵۰)۔

اوپر کی تفصیلات کی روشنی میں بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عہد سلطنت میں شروع سے آخر تک علم قرأت میں دلچسپی کا ماحول قائم رہا- اس فن کے ماہرین کو کثرت کے ساتھ اس کے سیکھنے کے مختلف مواقع فراہم تھے - مکاتب و مدارس علماء کی مجالس اور صوفیاء کے مراکز کے ذریعہ اس فن کی مشق و تمرین کا سلسلہ جاری رہا- علماء و مشائخ کے علاوہ بعض سلاطین و امراء نے بھی اس کی ترویج میں حصہ لیا- ان کی جانب سے اہل قرأت کی حوصلہ افزائی اور استادان قرأت پر انعام و اکرام نے اس فن کو مزید فروغ بخشا، یہاں تک کہ دارالسلطنت ایسے ممتاز قراء کا مرکز بن گیا کہ دوسرے ممالک میں ان کی نظیر ملنی مشکل تھی - لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ عہد زیر بحث میں علم قرأت کے میدان میں دلچسپی کے ان تمام مظاہر اور مختلف طور پر اس کی ترویج کی کوششوں کے باوجود اس موضوع پر کسی چھوٹی بڑی کتاب کی تالیف کا ثبوت نہیں مل سکا جب کہ بعد کے دور (عہد مغلیہ) میں علم قرأت کی تعلیم و تمرین کے ساتھ اس سے متعلق تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں بھی جاری ہوئیں(۵۱) جن کی تفصیل کے لئے ایک علیحدہ مضمون درکار ہوگا۔

حواشی و مراجع

۱- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر، باب خیر کم من تعلم القرآن و علمہ -

۲- جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعہ حجازی، القاہرہ، ۱۳۶۸ء، ۱/۱۰۲-۱۰۳، عدنان از زور، علوم القرآن، بیروت، ۱۹۸۴ء ص ۱۸۲، راغب الطباخ، تاریخ افکار و علوم اسلامی (اردو ترجمہ : افتخار احمد بلخی) مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۳ء، ۱/۲۱۷-۲۲۴

۳- عہد سلطنت میں علم قرآن کے ارتقاء پر تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں راقم کا مضمون : علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، ششماہی علوم القرآن - ۱/۲ جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۸-۱۳۱

۴- ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ص ۳۵۵، امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (تصحیح محمد لطیف) لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۲۶۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع محمدی، دہلی، ۱۲۸۳ھ، ص۴۹، سید محمد کرمانی (امیر خورد)، سیر الاولیاء، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۵-۲۸۶

۵- فخر مدبر تاریخ فخر الدین مبارک شاہ (تحقیق و تصحیح ڈینی سن راس) کلکتہ، ۱۹۳۷ء، ص ۲۱، یحی سرہندی، تاریخ مبارکشاہی، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۴-۱۳۵، امیر حسن سجزی، محولہ بالا، ص ۳۲۳

۶- القاضی اطہر المبارکپوری، العقد الثمین فی فتوح الھند و من ورد فیھا من الصحابة والتابعین، مطبعہ حمیدیہ سرائے پر، ۱۹۶۸، ص ۲۱۲

۷- سید ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص ۳۶۹-۳۷۸، ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۱ء، ص ۷۰-۷۲، قاضی اطہر مبارکپوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۵۳-۱۶۸-۲۵۱-۲۵۳

۸- فضل اللہ جمالی ، سیر العارفین ، مطبع رضوی دہلی ، ۱۳۱۱ھ ، ص ۱۰۳، پروفیسر خلیق احمد نظامی ، ہندوستان میں علوم قرآنی کا نشوونما اور اسلامی معاشرہ پر اس کا اثر ، معارف ۱۴۴/۱، جولائی ۱۹۸۹ء ، ص ۵

۹- سرور الصدور (ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوری) قلمی نسخہ ، حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ) ۲۱/۱۶۸، ورق ۵۵

۱۰- امیر حسن سجزی ، ص ۲۶۱-۲۶۲، مناظر احسن گیلانی ، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ، ندوۃ المصنفین ، دہلی ، ۱۹۴۴ء ، ۱/ ۱۳۴

۱۱- مناظر احسن گیلانی ، محولہ بالا ، ۱/ ۱۳۴

۱۲- اس موضوع پر تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں راقم کا مضمون : عہد اسلامی کے ہندوستان میں تعلیم کے ذریعے ، سہ ماہی تحقیقات اسلامی -

۱۳- سیرت فیروز شاہی، نقل (مخطوطہ اورینٹل پبلک لائبریری ، پٹنہ) یونیورسٹی کلکشن (مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ) ۱۱۱، ص ۱۴۷، خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، ندوۃ المصنفین ، دہلی ، ۱۹۸۱ء ، ص ۴۲۹

۱۴- ڈاکٹر وحید مرزا ، دیوان مطہر ، اورینٹل کالج میگزین (لاہور) ۱۱/ ۳ مئی ۱۹۳۵ء ، ص۱۳۶-۱۳۷

۱۵- رحلہ ابن بطوطہ ، دار صادر ، بیروت ، ۱۹۶۴ء ، ص ۵۵۵

۱۶- ابوالقاسم ہندوشاہ فرشتہ ، تاریخ فرشتہ ، نول کشور ایڈیشن ، ص ۲۵۵

۱۷- شمس سراج عفیف ، تاریخ فیروز شاہی ، کلکتہ ، ۱۸۹۰ء، ص ۲۷۰

۱۸- برنی ، محولہ بالا ، ص ۳۵۶، ۴۳۵، ۵۵۹، امیر حسن سجزی ، محولہ بالا ، ص ۲۲۳

۱۹- مناظر احسن گیلانی ، محولہ بالا ، ۱/ ۱۷۹-۱۸۰

۲۰- امیر حسن سجزی ، ص ۳۲۳

۲۱- سید محمد کرمانی ، محولہ بالا ، ص ۳۰۰-۳۰۱، سید عبدالحی ، نزہۃ الخواطر ، دائرۃ المعارف ، حیدر آباد ، ۱۹۳۱ء ، ۲/ ۵۹

۲۲- برنی ، ص ۳۵٦، نیز دیکھئے سید عبدالحی ، محولہ بالا ، ۲/۹۴، محمد اسحاق بھٹی ، فقہاء ہند ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور - ۱۹۷۴ء ، ۱/۲۵۰۔

۲۳- برنی ، ص ۳۵٦، رحمان علی خان ، تذکرہ علماء ہند ، نولکشور ، ۱۹۱۴ء ، ص ۹۷-۹۸، سید عبدالحی ، محولہ بالا ، ۲/۹۷-۹۸

۲۴- برنی ، ص ۳۵۳، رحمان علی خان ، ص ۲٦٦

۲۵- رحلہ بن بطوطہ ، ص ۴۱۹-۴۲۰

۲٦- سیّد محمد کرمانی ، محولہ بالا ، ص ۲۸۵

۲۷- پروفیسر خلیق احمد نظامی ، مقالہ محولہ بالا ، معارف ، جولائی ۱۹۸۹ء ، ص ۴۲۰،

K.A. Nizami,life and times of shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar deptt. of history, A.M.U.Aligash1955,pp.75,82

۲۸- امیر حسن سجزی ، ص ۲۷۵-۲۷٦، سیّد محمد کرمانی ، ص ۱۱٦

۲۹- امیر حسن سجزی ، ص ۲۷۵-۲۷٦

۳۰- سیّد محمد کرمانی ، ص ۱۱۷

۳۱- امیر حسن سجزی ، ص ۱۲۰، سید محمد کرمانی ، ص ۴۴٦

۳۲- امیر حسن سجزی ، ص ٦۰، مناظر احسن گیلانی ، محولہ بالا ، ۲/۱۳٦

۳۳- سیّد محمد کرمانی ، ص ۳۲٦، مناظر احسن گیلانی ، ۲/۱٦۰-۱٦۱

۳۴- پروفیسر خلیق احمد نظامی ، مقالہ محولہ بالا ، ص ۴۲۰

۳۵- سیّد محمد کرمانی ، ص ۲۸۵

۳٦- حوالہ مذکور ، ص ۲۰۹، مناظر احسن گیلانی ، محولہ بالا ، ۳/۱٦۲

۳۷- فخر مدبر ، تاریخ فخر الدین مبارکشاہ ، ص ۳۵

۳۸- فخر مدبر ، محولہ بالا ، ص ۲۱، تاریخ ہندوستان کے مصنف مولانا ذکاء اللہ نے " قرآن خواں سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ وہ قرآن کا حافظ تھا (تاریخ ہندوستان ، شمس المطابع ، دہلی ، ۱۸۹۸ء ، ۱/۲/۷ ۳) جبکہ جناب محمد اسحاق بھٹی نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت خوب کرتا تھا (فقہائے ہند، محولہ بالا، ۱/۱۸) - پروفیسر خلیق احمد نظامی کے خیال میں سلطان قرآن بہت اچھی آواز سے پڑھتا تھا ، اس لئے وہ " قرآن خواں " کے لقب سے معروف ہوا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، ندوۃ المصنفین ، دہلی ۱۹۸۱ء ، ص ۸٦)

۳۹- یحییٰ سرہندی ، تاریخ مبارکشاہی ، کلکتہ ، ۱۹۳۱ء ، ص ۱۳۴- ۱۳۵ ، شمس سراج عفیف تاریخ فیروز شاہی ، محولہ بالا ، ص ۵۵۴-۵۵۵

۴۰- فہرست مخطوطات شیرانی ، لاہور ، ۱۹٦۹ء ، ۳/۲۹٦

۴۱- فرشتہ ، محولہ بالا ، ص ٦۸

۴۲- برنی ، تاریخ فیروز شاہی (علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۵۷) ص ۱۲۰

۴۳- برنی ، ص ۳۵۵-۳۵٦

۴۴- برنی ، ص ۳۵۵

۴۵- محمد عبدالحی لکھنوی ، طرب الاماثل بتراجم الافاضل ، مطبع دبدبہ احمد ، لکھنو، (بدون تاریخ) ص ۲۸۳-۲۸۴، سید عبدالحی، محولہ بالا ، ۲/۱۴۸

۴٦- برنی ، ص ۵۸۳

۴۷- سید عبدالحی ، نزہۃ الخواطر ، دائرۃ المعارف ، حیدر آباد ، ۴/۱۱۱

۴۸- شیخ عبدالحق محدث ، محولہ بالا ، ص ۲۲۱، سیّد عبدالحی ، محولہ بالا، ۴/۱۲۹

۴۹- سیّد عبدالحی ، محولہ بالا ، ۴/۲۱۷

۵۰- عبدالقادر بدایونی ، منتخب التواریخ ، کلکتہ ، ۱۸٦۵ء، ۲۰/۲۱

۵۱- علم قرأت عہد وسطی کے ہندوستان میں ، ششماہی علوم القرآن ، ۵/۱ جنوری - جون ۱۹۹۰ء ، ص ۱۱۸-۱۲۰

☆☆☆☆☆